سورۃ البقرۃ (۱۴)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ بحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۱۴ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢبِالْكٰفِرِيْنَ ۝

یا HEAVEN کے ہم معنی ہے ۔ تاہم عربی میں بارش اور بادل کو بھی "سماء" کہتے ہیں ۔ اور اضافت کے ساتھ اس کے معنی چھت (سقف) کے بھی ہوتے ہیں مثلاً " سماء البیت " کے معنی " گھر کی چھت " ہی ہیں۔ لفظ " سماء " عربی زبان میں زیادہ تر مؤنث مگر کبھی کبھار مذکر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اس کی جمع زیادہ تر جمع مؤنث سالم کی طرح " سماوات " ہی آتی ہے ۔ یہ لفظ (سماء) قرآن کریم میں، زیادہ تر معرف باللام (السماء) ہو کر کل ۱۲۰ جگہ آیا ہے جس میں سے صرف ایک جگہ (المزمل : ۱۸) یہ مذکر استعمال ہوا ہے ۔

[**فِيْهِ**] جو " فِیْ " (حرف الجر) + ہ (ضمیر مجرور برائے واحد غائب مذکر) ہے اس کا اردو ترجمہ یہاں " جس میں " ہوگا ۔ " فیہ " کے بارے میں مفصل بات البقرہ : ۲ کے ضمن میں [۲ : ۱ : ۱ (۵) میں] ہو چکی ہے ۔

[**ظُلُمٰتٌ**] (یہ اس لفظ کا رسم املائی ہے رسم قرآنی پر " الرسم " میں بات ہوگی) اس لفظ کا مفرد (واحد) " ظُلْمَۃٌ " ہے جس کا مادہ " ظ ل م " اور وزن " فُعْلَۃٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کے استعمال بلکہ خود لفظ " ظلمات " کے اشتقاق، معنی اور اس کے قرآنی استعمال پر البقرہ : ۱۷ [۲ : ۱۳ : ۱ (۹)] میں بات ہو چکی ہے ۔

۲ : ۱۴ : ۱ (۴) [**وَرَعْدٌ**] کی " و " تو عاطفہ (بمعنی " اور ") ہے ۔ اور لفظ " رَعْد " کا مادہ " ر ع د " اور وزن " فَعْلٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " رَعَدَ یرعُد " اور " رَعِدَ یرْعَد رعْدًا " (باب نصر اور سمع سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی حقیقی معنی " (بادل کا) گرجنا " ہیں ۔ پھر اردو کے " گرجنا " کی طرح عربی میں بھی اس کے کئی بامحاورہ استعمال ہوتے ہیں (مثلاً " ڈرانا، دھمکانا " وغیرہ) ۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کے فعل کا کوئی صیغہ استعمال نہیں ہوا ۔ لفظ " رعْدٌ " جو دراصل مصدر ہے، کے دو معنی ہیں " گرجنا " اور " گرج (کی آواز) " ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو جگہ اور وہ بھی دوسرے معنی (گرج) کے لیے آیا ہے ۔ ایک یہاں (البقرہ : ۱۹) بصورت نکرہ اور دوسری جگہ (الرعد : ۱۳) بصورت معرفہ (الرعد) وارد ہوا ہے ۔ بیشتر مترجمین نے اس

کا ترجمہ "گرج" ہی کیا ہے بعض نے "راعد" ہی رہنے دیا ہے جسے پڑھے لکھے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور بعض نے خطوط وحدانی کے ساتھ بعض الفاظ کے اضافہ کے ترجمہ کیا ہے یعنی " اور (بادل) گرج (رہا ہو)" کی صورت میں۔ جسے تفسیری ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔

۲:۱۴:۱(۵) [**وَبَرْقٌ**] کی " وَ " بھی عاطفہ ہے۔ اور " برق " کا مادہ " ب ر ق " اور وزن " فَعْلٌ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد زیادہ تر تو " بَرَق یبرُق بَرْقاً " (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "آسمان میں بجلی کا چمکنا" ہیں مثلاً کہتے ہیں " بَرَق البَرْقُ " (بجلی کوندی) یا " بَرَق السماءُ" (آسمان میں بجلی کی چمک ظاہر ہوئی)۔ اردو کے مصدر " چمکنا " کی طرح عربی میں بھی یہ فعل بطور محاورہ "چمکنا دمکنا"، " سنورنا " اور " بننا ٹھننا " کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس باب سے اور ان معنوں کے لیے اس فعل کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ مصدر آیا ہے۔

● البتہ اسی مادہ سے فعل مجرد " برِق یبرَق بَرَقاً (باب سمع سے) " دہشت زدہ ہونا " کے معنوں میں آتا ہے۔ اور اس باب سے (اور ان معنوں میں) فعل ماضی کا صرف ایک صیغہ (بَرِقَ) قرآن کریم میں بھی (صرف) ایک جگہ (القیامہ: ۷) وارد ہوا ہے۔

● کلمہ " بَرْقٌ " اس مادہ سے باب نصر کے فعل کا مصدر ہے اور اس کے معنی "چمکنا" بھی ہو سکتے ہیں اور " (بجلی کی) چمک " بھی۔ ان دونوں معنی کے لحاظ سے اس کا تعلق بنیادی طور پر "آسمانی بجلی" سے ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (بَرْقٌ) مفرد مرکب معرفہ نکرہ مختلف صورتوں میں کل پانچ جگہ وارد ہوا ہے۔

۲:۱۴:۱(۶) [**يَجْعَلُوْنَ**] کا مادہ " ج ع ل " اور وزن " يَفْعَلُوْن " ہے۔ یعنی یہ فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس مادہ (جعل) سے فعل ثلاثی مجرد عموماً " جعَل ..... يَجْعَل جَعْلاً " (باب فتح سے) آتا ہے اور

اس کے متعدد معنی ہیں ۔مثلاً : (۱) ....کو پیدا کرنا (۲)....کو بنانا (۳)....کو بنا ڈالنا (۴)....کو مقرر کرنا (۵) ....کو تیار کرنا (۶) ....کو ڈالنا ، ڈال لینا یا دے لینا (۷)....کو عطا کرنا (۸)....کو خیال کرنا ، سمجھ بیٹھنا (۹)....کو برابر ٹھیرانا (۱۰) ....سے کوئی کام کروانا (۱۱) (کسی فعل کو) شروع کرنا وغیرہ ۔ان (مذکورہ بالا) میں سے اکثر معنوں کے لیے یہ دو مفعول کے ساتھ آتا ہے جیسے ....کو.... بنا دینا اور دونوں مفعول بنفسہٖ (منصوب) آتے ہیں ۔تاہم کبھی یہ صرف ایک مفعول کے ساتھ ہی آتا ہے ۔مثلاً "پیدا کرنا" یا "ڈالنا" کی صورت میں ۔ ۱۰ اور ۱۱ والے معنوں کی صورت میں یہ کسی دوسرے فعل کے مضارع کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔اور اس استعمال کے کچھ خاص قواعد ہیں۔

● یہ فعل (جعل) قرآن کریم میں بکثرت اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً یہاں (زیر مطالعہ آیت میں) یہ فعل "ڈالنا ، ڈال لینا ، دے لینا" کے معنی میں آیا ہے ۔جس کا بامحاورہ اردو ترجمہ بعض نے "ٹھونس لینا" سے کیا ہے ۔قرآن کریم میں اس مادہ (جعل) سے فعل ثلاثی مجرد کے مختلف صیغے ۳۴۵ جگہ اور بعض مشتقات ۱۱ جگہ آئے ہیں ۔

۲:۱۴:۱ (۷) [أَصَابِعَهُمْ] میں آخری "ھم" تو ضمیر مجرور بمعنیٰ "ان کا/کی" ہے اور لفظ "أَصَابِعَ" (جو یہاں منصوب ہے) کا مادہ "ص ب ع" اور وزن "أَفَاعِلُ" (غیر منصرف) ہے ۔ "أَصَابِع" کا واحد "اُصْبُعٌ" ہے جو ابتدائی ھمزہ (ا) اور "ب" کی مختلف حرکات کے ساتھ چھ سات مختلف طریقوں سے بولا جاتا ہے تاہم اس کی زیادہ مستعمل اور لہٰذا زیادہ صحیح صورتیں دو ہی ہیں "اِصْبَعٌ" اور "اِصْبِعٌ" (دونوں طرح) ہیں ۔اور اس کے معنی "ہاتھ یا پاؤں کی انگلی" ہیں — عربی زبان میں یہ لفظ (اصبع) زیادہ تر مؤنث اور کبھی کبھار مذکر بھی استعمال ہوتا ہے ۔

● اس مادہ (صبع) سے فعل ثلاثی مجرد "صَبَعَ یَصْبَعُ صَبْعًا" (باب فتح سے) بغیر صلہ کے (صبعہٗ) "کسی کو متکبر بنا دینا" یا "تکبر پیدا کرانا" کے معنی دیتا ہے ۔

اور (زیادہ تر) " علیٰ " یا " باء (ب) " کے صلہ کے ساتھ (یعنی صبع علیہ و بہ) "کسی کی طرف انگلی سے اشارہ کرنا" یا " انگلی کے اشارے سے رہنمائی کرنا " کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ صرف یہی کلمہ " اصابع " (بصورت جمع) ہی صرف دو جگہ (البقرہ : ۱۹ اور نوح : ۷) میں وارد ہوا ہے۔

۲:۱۴:۱ (۸) [فِیْ اٰذَانِھِمْ] جو فی + آذان + ھم کا مرکب ہے۔
" فِی " اور " ھم " کے معنی پہلے کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ کلمہ " آذان " کا مادہ " اَذن " اور وزن " اَفْعَالٌ " ہے۔ اس کی اصلی شکل " اَاْذَانٌ " تھی جس میں ھمزۂ متحرکہ و ساکنہ کے جمع ہونے کی بنا پر " اَاْ " کو (وجوباً) " آ " بنا لیا جاتا ہے (اس کے قرآنی ضبط پر بعد میں بات ہوگی)۔ اس لفظ (آذان) کا واحد (مفرد) " اُذُنٌ " (بروزن " فُعُلٌ ") ہے جس کے معنی " کان " (سننے والا عضو) ہیں اور یہ لفظ (اُذُن) عربی میں ہمیشہ بطور مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

اس مادہ (اذن) سے فعل ثلاثی مجرد " اَذِنَ یَاْذَنُ اِذْناً " (باب سمع سے) مختلف صلات کے ساتھ مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) اَذِن بِ .... (.... کسی بات) کو جان لینا) (۲) اَذِن الیہ (کسی کی بات پر کان دھرنا یا توجہ سے سننا) (۳) اَذِنَ لہ (کسی کو اجازت دینا) اور (۴) اذِن عَلَیہ (کسی سے اندر آنے کی اجازت مانگنا) وغیرہ۔ ان میں سے قرآن کریم میں یہ فعل صرف ۱ اور ۳ والے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اس مادہ (اذن) سے فعل مجرد کے مختلف صیغے ۲۳ جگہ اور مزید فیہ کے ابواب تفعیل، تفعّل، افعال اور استفعال کے کچھ صیغے ۱۹ جگہ اور جامد و مشتق اسماء کے بعض صیغے ۵۹ جگہ آئے ہیں جن میں سے لفظ " اُذن " (واحد) پانچ دفعہ اور " آذان " (جمع) گیارہ دفعہ آئے ہیں۔

۲:۱۴:۱ (۹) [مِنَ الصَّوَاعِقِ] یہ مِنْ + الصواعق کا مرکب جارّی ہے۔
" مِنْ " کے معنی و استعمال پر البقرہ : ۳ [۲:۲:۱ (۵)] میں بات گزر چکی ہے۔

"الصواعِق" (جو معرف باللام اور مجرور ہے) کا مادہ "ص ع ق" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فَواعِلُ" ہے جو شبہ "مَفَاعِل" ہے[1] اور منتہی الجموع ہونے کے باعث غیر منصرف بھی ہے۔ اور اس لفظ (صواعق) کا واحد (مفرد) "صَاعِقَةٌ" ہے۔ جس کے ایک معنی ہیں "آسمانی (گرنے والی) بجلی" یعنی (LIGHTNING) یا اس (بجلی) کی کڑک (THUNDERBOLT)۔

● اس مادہ (صعق) سے فعل ثلاثی مجرد مختلف ابواب سے مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) صَعَق يَصْعَق صعقاً (باب فتح سے) کے ایک معنی "آسمان کا کسی پر بجلی گرانا یا بجلی کا کسی پر گرنا" ہیں۔ یہ فعل بطور متعدی مگر بغیر کسی صلہ کے آتا ہے مثلاً کہیں گے "صَعَقَتْهُ السماءُ / الصاعِقَةُ" یعنی آسمان (السماء) یا بجلی (الصاعقۃ) نے اس کو "بجلی زدہ" کر دیا اور اسی فعل سے جدید استعمال ہے "صَعَقَ التيارُ الكهربائيُّ الرجلَ = اس (آدمی) کو (انسانی تیار کردہ) بجلی نے جھٹکا دیا۔ (۲) اور "صعِق يَصعَق صَعَقاً" (باب سمع سے) کے ایک معنی "بجلی کا کڑک کی (یا کسی جانور کا خوفناک) آواز نکالنا" ہوتے ہیں اور (۳) اسی باب (سمع) سے بصیغہ معروف بطور فعل لازم "صعِقَ" یا بصیغۂ مجہول "صُعِقَ" (دونوں طرح) مگر مصدر "صَعْقاً" (بسکون عین) کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: "کسی خوفناک آواز سے بے ہوش ہو جانا یا مر جانا"۔ قرآن کریم میں یہ فعل (مجرد) مندرجہ بالا پہلے دو معنی (۱ و ۲) میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ صرف آخری (تیسرے (۳)) معنوں کے لیے قرآن کریم میں اس فعل کے (باب سمع سے) ماضی معروف کا ایک ہی صیغہ (الزمر: ۶۸) اور مضارع مجہول کا بھی صرف ایک صیغہ (الطور: ۴۵) استعمال ہوا ہے۔ اس طرح بے ہوش ہونے والے کو "صَعِقٌ" (فَرِحٌ کی طرح) کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم میں صرف ایک جگہ (الاعراف: ۱۴۳) آیا ہے۔

● لفظ "صاعِقَةٌ" (جو زیر مطالعہ لفظ "الصواعق" کا مفرد نکرہ ہے)

---

[1] البقرہ: ۱۴ [۲: ۱۱: ۱ (۳)] میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

مندرجہ بالا پہلے معنی (۱ـ) کے لحاظ سے مصدر بمعنیٰ "بجلی گرنا" بھی ہے۔ اور خود اس گرنے والی بجلی کو بھی "صاعقۃ" کہتے ہیں۔ یہ لفظ (صاعقۃ) بھی معرفہ نکرہ مفرد مرکب مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر چھ دفعہ آیا ہے۔ اور اس کی جمع "الصواعق" قرآن کریم میں صرف دو دفعہ استعمال ہوئی ہے۔ ایک یہاں (زیر مطالعہ آیت میں) اور دوسرے (الرعد: ۱۳) میں۔

۲:۱۴:۱ (۱۰) [**حَذَرَ الْمَوْتِ**] یہ ایک مرکب اضافی ہے جو "حذر" (مضاف) اور "الموت" (مضاف الیہ) پر مشتمل ہے۔ دونوں کی لغوی تفصیل یوں ہے۔ "حَذَرُ" (جس کی "ر" کی حرکت فتحہ (ـَ) پر "الاعراب" میں بحث ہوگی) کا مادہ "ح ذ ر" اور وزن "فَعَلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "حذِر ... یحذَر حِذرًا وَحَذَرًا" (باب سمع سے) بطور فعل متعدی براہِ راست مفعول بنفسہ کے ساتھ بھی اور "مِنْ" کے صلہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "حَذِرَہٗ و حذِر مِنْہ" دونوں طرح درست ہے اور اس کے معنی ہیں: "...... سے بچ کر رہنا"، "...... سے بہت محتاط ہونا یا ...... کے بارے میں احتیاط برتنا"، "...... سے ہوشیار رہنا" وغیرہ۔

بعض دفعہ اس فعل (حذِر) کا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا ترجمہ فعل لازم کی طرح "محتاط رہنا" یا "خبردار رہنا" سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل سے، اپنے مفعول کے ذکر کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی، صرف مضارع اور امر کے مختلف صیغے کل ۱۲ جگہ آئے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل سے ماضی کا کوئی صیغہ نہیں آیا اور "مِن" کے صلہ کے ساتھ بھی یہ فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔ فعل ثلاثی مجرد کے علاوہ اس مادہ (حذر) سے بعض اسماء مشتقہ اور مصدر پانچ جگہ اور اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل مضارع بھی دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ زیر مطالعہ لفظ (حذَر) اس کے فعل ثلاثی مجرد کا مصدر ہے جس کا ترجمہ "ڈر"، "اندیشہ" یا "خوف" سے کیا جا سکتا ہے۔

● اس (مندرجہ بالا) ترکیب کے دوسرے لفظ "الموت" کا مادہ "م و ت" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَعْلٌ" ہے (ترکیب میں یہ لفظ بوجہ اضافت مجرور آیا ہے)۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "ماتَ یمُوتُ مَوْتًا" (باب نصر سے اور دراصل مَوَتَ یَمْوُتُ) اور کبھی "ماتَ یمَاتُ موتًا" (باب سمع سے اور دراصل موِتَ یمْوَتُ) آتا ہے اور اس کے مشہور اور بنیادی معنی "مرنا، مرجانا، جسم سے روح کا نکل جانا" ہیں۔ اور اس فعل کے عربی زبان میں مختلف محاوراتی استعمالات (مثلاً "زمین کا بے آباد ہونا، ہوا کا رک جانا، راکھ میں چنگاری تک کا ختم ہوجانا، کپڑے کا بوسیدہ ہونا، راستے کا متروک ہوجانا وغیرہ) کی بنیاد یہی معنی ہیں۔

● لفظ "مَوْت" جو دراصل فعل ثلاثی مجرد کا مصدر ہے، اردو بلکہ فارسی پنجابی وغیرہ کئی اسلامی زبانوں میں اپنے اصل (عربی معنی) کے ساتھ اتنا کثرت سے مستعمل ہے کہ اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی ــــ قرآن کریم میں اس مادہ (م و ت) سے فعل ثلاثی مجرد کے (ماضی، مضارع، امر، نہی کے) مختلف صیغے چالیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے باب افعال سے فعل کے صیغے ۱۲ جگہ اور لفظ "موت" اور اس کے مادہ سے دیگر مشتقات سو سے زائد دفعہ وارد ہوئے ہیں۔

[واللّٰه] "وَ" یہاں بلحاظ معنی عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور مستانفہ بھی۔ اور اسم جلالت (اللّٰه) پر "بسم اللّٰه" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے [<u>۱:۱:۱(۲)</u> میں]

<u>۲:۱۴:۱(۱۱)</u> [مُحِیْطٌ] کا مادہ "ح و ط" اور وزن اصلی "مُفْعِلٌ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "مُحْوِطٌ" تھی۔ جس میں حرف علت "وِ" کی حرکت کسرہ (ـِ) اس کے ماقبل ساکن حرف صحیح "ح" کو دے کر اب اس "و" کو اپنے ماقبل کی حرکت (ـِ) کے موافق حرف علت "ی" میں بدل کر بولا اور لکھا جاتا ہے ــــ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "حاطَ..... یحُوط حَوْطًا" (باب نصر سے اور دراصل حَوَطَ یَحْوُطُ) بطور فعل متعدی مفعول بنفسہ کے ساتھ (بغیر صلہ کے)

استعمال ہوتا ہے یعنی " حاطَهٗ " کہتے ہیں جس کے معنی ہیں :"..... کی حفاظت کرنا، ..... کی دیکھ بھال کرنا" اور یہی فعل (اسی باب سے) " باء (بِ)" کے صلہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی "حاط بہٖ" بھی کہتے ہیں اور اس وقت اس کے معنی "..... پر آپڑنا ، ..... پر اترنا " ہوتے ہیں ـــ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ (حوط) سے فعل ثلاثی مجرد کا کوئی صیغہ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔

● زیرِ مطالعہ کلمہ " مُحِیط " اس مادہ (حوط) سے بابِ افعال کا صیغہ اسم الفاعل ہے۔ بابِ اِفعال سے فعل " احاط یُحِیط احاطۃً " ہمیشہ " باء (بِ) " کے صلہ کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے یعنی " اَحَاط بہٖ " کہتے ہیں۔ اس کے معنی "..... کو گھیر لینا ، ..... سے پوری طرح باخبر ہونا " ہوتے ہیں۔ کوئی فعل جب لازماً کسی صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہو تو اس سے بننے والے اسم الفاعل اور اسم المفعول کے ساتھ بھی وہی صلہ لگتا ہے [دیکھئے ۱:۶:۱(۵)] اس لیے یہاں مُحِیط بِ..... آیا ہے۔ گویا یہ "یُحِیطُ بِ....." کے برابر ہے۔ قرآن کریم میں اس مادہ (حوط) سے صرف بابِ افعال کے ہی اَفعال اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے ۲۷ جگہ آئے ہیں۔

۲:۱۴:۱(۱۲) [بِالْكَافِرِيْنَ] میں " بِ " تو صلہ کی ہے (یعنی مُحِیط کے ساتھ لگنے والی)۔ اور لفظ " الکافرین " (جو معرّف باللام اور مجرور بالجر ہے) کا مادہ " ک ف ر " اور وزن (لام تعریف نکال کر) " فاعِلین " ہے اور یہ لفظ " کافر " کی جمع مذکر سالم ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کفَر..... یکفُر کفرا (کفر کرنا ، ناشکری کرنا وغیرہ) کے معانی اور طریق استعمال پر البقرہ: ۶ [۲:۵:۱(۱)] میں بحث ہو چکی ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل کے ثلاثی مجرد سے ہی افعال کے مختلف صیغے ۲۹۰ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے باب تفعیل کے صیغے ۱۴ جگہ اور مختلف اسماء مشتقہ کے صیغے ۲۲۰ کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اس سے اس مادہ کے

اَفعال اور اسماء کے قرآن کریم میں بکثرت استعمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲:۱۴:۲ الإعراب

اوکصیب من السماء فیہ ظلمت و رعد و برق۔ یجعلون اصابعھم فی اذانھم من الصواعق حذر الموت۔ واللہ محیط بالکفرین۔

یہ (زیرِ مطالعہ) آیت دراصل تین جملوں پر مشتمل ہے۔ جن کے اعراب کی تفصیل یوں ہے:۔

● [اَوْ] حرفِ عطف ہے اور اس کا تعلق اس سے پہلی آیت (۱۷۔ جس پر ۲:۱۳:۱ میں بات ہوئی ہے) کے ابتدائی لفظ "مَثَلُھم" سے ہے یعنی دراصل عبارت بنتی ہے۔ "اَوْ مَثَلُھم" (یا ان کی مثال)۔ "اَوْ" یہاں شک کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور تخییر کے لیے بھی (دیکھیے اوپر حصہ "اللغۃ" میں ۲:۱۴:۱:۱) [کصیّب] کا کاف الجر (كَ) بلحاظ معنی تشبیہ کے لیے ہے۔ گویا "کمثلِ صیّب" ہے۔ اور یہاں "صیّبٍ" سے بھی مراد "اصحاب صَیّبٍ" (یعنی بارش والے، بارش میں موجود یا مبتلا لوگ) ہیں۔ یعنی تشبیہ بارش سے نہیں بلکہ "بارش والوں کی حالت" سے ہے اور مقدر عبارت "اَوْ مثلھم کمثل اصحاب صیّب" بنتی ہے۔ اس لیے کہ آگے چل کر اسی آیت میں (ان لوگوں کے لیے ہی) جمع مذکر کے الفاظ "یجعلون" اور "ھم" وغیرہ آئے ہیں جو "صیّب" نہیں بلکہ "اصحابِ صیّب" کے لیے ہی ہو سکتے ہیں ـــــ بہرحال یہ مرکب (کصیّب) جار مجرور مل کر ایک محذوف (غیر مذکور مگر مفہوم) مبتدأ (مَثَلُھُمْ) کی خبر یا قائم مقام خبر ہے اور یہ (صیّبٍ) نکرہ موصوفہ ہے یعنی اس کی تنوین تنکیر سے "جو کہ" کے معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی جو کہ "من السماء" ہے اور یہ [مِنَ السَّمَاءِ] بھی جارّ (مِنْ) اور مجرور (السماءِ) مل کر "صَیّب" کی صفت ہونے کے لحاظ سے محلاً مجرور

ہے۔اس کا " مِنْ " ابتداء الغایۃ کے لیے بھی ہو سکتا ہے (کہ بارش کس طرف سے آرہی ہے) اور مِنْ بیانیہ بھی کہہ سکتے ہیں (یعنی پانی کی اس بوچھاڑ کی وضاحت ہے کہ وہ اوپر۔آسمان سے آرہی ہے) ۔[فیہ] جار (فی) اور مجرور (ہ) مل کر خبر مقدم ہے جس میں ھاء الضمیر (ہ) کا مرجع "صیّب" ہے۔اور[ظلمات] مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور [وَرَعْدٌ] اور [وَبَرْقٌ] ہر دو بھی واو عاطفہ کے ذریعے " ظلمات " پر معطوف ہیں۔یعنی یہ تینوں کلمات (ظلماتٌ و رعدٌ و برقٌ) مبتدأ مؤخر کا کام دے رہے ہیں۔اس طرح " فیہ ظلمات و رعد و برق" کا ترجمہ ہوگا " اس میں ہے ظلمات اور رعد اور برق " (یعنی اندھیرے اور گرج اور چمک) اور یہ پورا جملہ بھی " صَیِّبٌ " کی صفت ہے۔اس طرح مندرجہ بالا ترکیب کے مطابق یہاں تک کے حصۂ آیت (او کصیّبٍ ..... وبرق) کا ترجمہ کچھ یوں بنتا ہے " یا (ان کی مثال) ایسی صیّب (بارش) (میں پھنسے لوگوں) کی مانند ہے جو کہ من السماء (آسمان سے آرہی) ہے جس میں ظلمات و رعد و برق (اندھیرے گرج اور بجلی کی چمک) ہو"۔

● [یَجْعَلُون] فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں ضمیر فاعلین " ھم " مستتر ہے اور یہاں (یجعلون) سے شروع ہونے والا جملہ " اصحاب صیِّب (بارش والوں) " کا بیان یا صفت یا حال بھی ہو سکتا ہے ۔ اور الگ مستقل جملہ (مستأنفہ) بھی ہو سکتا ہے۔[اَصَابِعَھُمْ] یہ مضاف (اصابع) اور مضاف الیہ (ھم) مل کر پورا مرکب اضافی فعل " یجعلون " کا مفعول بہ ہے (یعنی اپنی انگلیوں کو) ۔اسی لیے " اصابع " یہاں منصوب ہے اور اس کی نصب کی علامت "ع " کا فتحہ (ـَـ) ہے ۔[فی آذانھم] میں " فِی " تو حرف الجر ہے اور " آذانِ " اس کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامتِ جر " ن " کا کسرہ (ـِـ) ہے اور یہ (آذان) آگے مضاف بھی ہے اس لیے خفیف (لام تعریف اور تنوین کے بغیر) ہے۔آخری " ھُمْ " ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے جس کی " ھا"

ماقبل کے مکسور ہونے کی وجہ سے مکسور (ھِمْ) ہوگئی ہے۔ اور یہ سارا مرکب جارّی (فِی آذانهم) متعلق فعل "يجعلون" ہے۔ یا اسے اس فعل (يجعلون) کے دوسرے مفعول کا قائم مقام سمجھ کر محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں۔ [مِنَ الصواعق] یہ جار (من) اور مجرور (الصواعق) مل کر (جو دراصل تو "من صوتِ الصواعق" کا مفہوم رکھتا ہے یعنی "صواعق" کی آواز کی وجہ سے) فعل "يجعلون" سے متعلق ہے اور اس کے مفعول لہٗ کا کام دے رہا ہے گویا محلاً منصوب ہے یعنی "صواعق (بجلیوں کی کڑک والی آواز) سے (بچنے کے لیے) ایسا کرتے ہیں"۔

—— اور [حذرَ الموتِ] مرکب اضافی ہے جس میں (مضاف) لفظ "حذرَ" مفعول لہٗ ثانی ہے اسی لیے منصوب ہے جس کی علامت نصب "ر" کی فتحہ (ـَـ) ہے اور یہ مضاف ہونے کی وجہ سے "حَذَرًا" کا "حَذَرَ" رہ گیا ہے۔ اور "الموت" اس (حذر) کا مضاف الیہ مجرور ہے۔ اس طرح اس (حذرَ الموتِ) کا ترجمہ ہوگا "موت کے ڈر یا اندیشے سے، یا موت سے بچنے کے لیے" اور یہ دوسرا مفعول لہٗ پہلے مفعول لہٗ (من الصواعق) کے ساتھ مقیّد ہے۔ یعنی دونوں کو ملا کر ترجمہ ہوگا "بجلیوں کی (کڑک) کی وجہ سے موت (کے اندیشے) سے (بچنے کے لیے)۔ اسی کا نسبتاً بامحاورہ ترجمہ "کڑک کے سبب موت کے ڈر سے" یا "کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے" کیا گیا ہے۔ یعنی بیشتر مترجمین نے یہاں "مِنْ" کا ترجمہ "مِنْ تعلیلیہ" کے ساتھ کیا ہے۔ [دیکھیے مِنْ کے معانی ۲:۲:۱(۵) میں]

● [وَاللّٰهُ] کی "واو" اعتراضیہ ہے یعنی جملۂ معترضہ کے شروع میں آئی ہے اور اسے "واو الاستیناف" بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں سے ایک نیا جملہ (معترضہ) شروع ہوتا ہے جس کا اپنے سے پہلے جملے پر بلحاظ معنی عطف نہیں بنتا۔ اردو میں یہ فرق محض ترجمہ سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اردو ترجمہ تو "اور" سے ہی کیا جا سکتا ہے مگر دراصل اس میں "اور پھر یہ بھی تو ہے کہ" کا مفہوم موجود ہے۔ اور اگر چاہیں تو

اس " واو " کو حالیہ قرار دے کر اس کا ترجمہ " حالانکہ " سے بھی کیا جاسکتا ہے اور بعض مترجمین نے ایسا ہی کیا ہے ۔ اور " [اللّٰهُ] " یہاں مبتدأ (لھذا) مرفوع ہے اور اس کی خبر [محیطٌ] ہے جو اسی لیے مرفوع ہے ۔ اور [بالکافرین] جار (ب) اور مجرور (الکافرین) مل کر متعلق خبر (محیط) ہے ۔ اس طرح یہ جملہ اسمیہ (واللہ محیط بالکافرین) ایک جملہ معترضہ ہے ۔ کیونکہ اس سے پہلے جس بجلی اور اس کی چمک کا ذکر ہوا ہے وہ اس سے اگلی (آنے والی) آیت میں بھی چل رہا ہے ۔ اور درمیان میں یہ " واللہ محیط بالکافرین " ایک جملہ معترضہ کے طور پر آیا ہے یعنی ایک مسلسل مضمون کے درمیان آنے والا ضمنی جملہ جس میں کسی دوسرے مضمون کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ــــــ مبتدأ خبر ہونے کی بنا پر اور اس لیے کہ " محیط " اسم الفاعل کا صیغہ ہے ، جملہ " واللہ محیط بالکافرین " کا بنیادی لفظی ترجمہ تو ہونا چاہیئے " اور اللہ گھیر لینے والا ہے کافروں کو " ۔ اس میں " کو " عربی " بِ " کا ترجمہ ہے جو دراصل فعل " احاط " کا " صلہ " ہے ۔ تاہم محاورہ اور مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے بیشتر مترجمین نے " محیط " کا ترجمہ " گھیرے میں لیے ہوئے ہے " یعنی " یُحِیْطُ " کی طرح کر دیا ہے ۔

۲ : ۱۴ : ۳ الرسم

زیرِ مطالعہ آیت میں کل ۲۱ کلمات ہیں ان میں سے بیشتر کلمات کا رسمِ عثمانی اور رسمِ املائی یکساں ہے ۔ صرف چار کلمات بلحاظ رسمِ عثمانی تفصیل طلب ہیں اور یہ ہیں " ظلمات ، اصابعھم ، " الصواعق " اور " الکافرین " (اور یہ ان کی رسم املائی ہے) ان کے رسمِ عثمانی کی تفصیل یوں ہے ۔

● [ظُلُمٰتٌ] جو عام رسمِ معتاد میں " ظلمات " باثبات الالف بعد المیم لکھا جاتا ہے ، رسمِ عثمانی کے مطابق یہ لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ بحذف الالف بعد المیم یعنی " ظلمت " لکھا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں یہ کلمہ معرفہ یا نکرہ کل ۲۳ بار آیا ہے ۔

اور ہر جگہ اس کا رسم قرآنی بحذف الف یعنی "ظلمت" ہے [نیز دیکھیے سابقہ آیت البقرہ : ۱۷ یعنی ۲:۱۳:۲]

● [اصابعهم] رسم املائی میں تو اسی طرح باثبات الف (بین الصاد والباء) لکھا جاتا ہے تاہم اس کا رسم عثمانی مختلف فیہ ہے۔ تمام عرب اور افریقی ملکوں (ماسوائے لیبیا کے) کے مصاحف میں اسے محذوف الالف (بعد الصاد) یعنی بصورت "اَصٰبِعَهُمْ" لکھا جاتا ہے اور یہ حذف الالف ابو داؤد سلیمان بن نجاح (المتوفی ۴۹۶ھ) کی طرف منسوب قول پر مبنی ہے۔ جب کہ لیبیا والے مختلف فیہ رسم میں ابو داؤد کے استاد عثمان بن سعید الدانی (المتوفی ۴۴۴ھ) کو حجت مانتے ہیں اور الدانی نے (بلکہ اس کے بعد کے مصنف الشاطبی المتوفی ۵۹۰ھ نے بھی) اس کلمہ کے محذوف الالف ہونے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس وجہ سے لیبیا میں اسے "اصابعهم" باثبات الالف ہی لکھا گیا ہے۔ برصغیر میں صحت کے اہتمام کے ساتھ چھپنے والے مصاحف (مثلاً انجمن حمایت اسلام، لاہور یا بمبئی کے بعض مصاحف) میں بھی اسے باثبات الالف ہی لکھا گیا ہے اور اسے یکسر غلط رسم ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ مدینہ یونیورسٹی کے دو اساتذہ نے برصغیر کے مصاحف کی اغلاط الرسم کے بارے میں اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے۔ پاکستان میں صرف "تجویدی قرآن" کے اندر "مصحف حکومت مصر" کے اتباع میں یہ کلمہ بحذف الف لکھا گیا ہے۔

● [الصواعق] جو عام رسم املائی میں اسی طرح باثبات الالف (بعد الواو) لکھا جاتا ہے۔ اس کے رسم عثمانی کے بارے میں بھی مذکورہ بالا کلمہ (اصابعهم) والا اختلاف ہے یعنی عرب اور افریقی ملکوں کے مصاحف میں ابو داؤد کے قول کی بناء پر اسے محذوف الالف کر کے یعنی بصورت "الصوعق" لکھتے ہیں۔ جب کہ لیبی مصاحف میں الدانی کی عدم صراحت کی بنا پر اسے باثبات الالف (الصواعق) لکھا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ان تمام کلمات میں، جو عام عربی املاء میں باثبات الف لکھے جاتے ہیں ان کے رسم عثمانی میں بحذف الف لکھا جانا صرف اس صورت میں ضروری ہوتا ہے جب ائمہ رسم نے اس کے حذف کی تصریح کی ہو۔ اور جہاں حذف

کی تصریح نہیں تو اسے اثبات (الف) پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔ یہ کلمہ (الصواعق) برصغیر کے مصاحف میں بھی اسی طرح باثباتِ الف ہی لکھا جاتا ہے تاہم یہاں اثبات الف کی وجہ وہ نہیں جو لیبیا والے بیان کرتے ہیں بلکہ شاید سہواً ہی ۔ یا پھر ایران اور ترکی کے مصاحف کے اتّباع میں ایسا لکھا گیا ۔ تاہم اسے یکسر غلط رسم ہرگز نہیں کہا جا سکتا ۔ جیساکہ مدینہ یونیورسٹی کے دو سعودی اساتذہ نے اپنی "رپورٹ" میں کہا ہے ۔

[الکٰفرین] یہ لفظ عام عربی املاء میں تو باثبات الالف بعد الکاف لکھا جاتا ہے یعنی بصورت " الکافرین " ۔ تاہم اس کا عثمانی رسم ہر جگہ بحذف الف ہے یعنی "الکفرین"۔ اور یہ تمام ائمہ رسم کے مطابق متفق علیہ رسم ہے۔ برصغیر میں بھی اسے عموماً بحذف الف ہی لکھا جاتا ہے جیساکہ لاہور، بمبئی اور دہلی کے مطبوعہ مصاحف میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

ترکی ، ایران اور چین کے مصاحف میں مذکورہ بالا چاروں کلمات باثبات الف لکھنے کا رواج ہو گیا ہے جو " ظلمات " اور " الکافرین " کے معاملے میں تو متفقہ رسم عثمانی کی صریح مخالفت اور لہٰذا سخت غلطی ہے یہ " ظلمت " اور " الکفرین " ہی لکھے جانے چاہئیں ۔ البتّہ " اصابعھم " اور " الصواعق " کی صورت میں رسم کے مختلف فیہ ہونے کی بنا پر اسے یکسر غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ تاہم ایرانی یا ترک کاتبوں کے سامنے (لیبیا والوں کی طرح) ابوداؤد اور الدانی کا اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ غالباً ان ملکوں میں رسم املائی کے اتباع کے باعث یہ " غلطی " عام ہو گئی جسے محض اتفاقاً فنی اعتبار سے غلطی نہیں کہا جا سکتا ۔ اس قسم کے اختلافِ رسم کے کئی نمونے آگے چل کر بھی ہمارے سامنے آئیں گے ۔

۲:۱۴:۴ الضبط

زیرِ مطالعہ آیت کے کلمات کے متفق یا مختلف ضبط کو درج ذیل نمونوں سے سمجھا جا سکتا ہے:۔

- اَوْ ، أَوْ ، أَوْ / كَصَيِّبٍ ، كَصَيِّبٍ ، كَصَيِّبٍ ۔

مِّنَ ، مِّنَ / السَّمَآءِ ، السَّمَاءِ ، السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ -

فِيْهِ ، فِيهِ ، فِيهِ ، فِيهِ -

ظُلُمٰتٌ ، ظُلُمٰتٌ ، ظُلُمٰتٌ -

وَرَعْدٌ ، وَرَعْدٌ ، وَرَعْدٌ -

وَّبَرْقٌ ، وَبَرْقٌ ، وَبَرْقٌ -

يَجْعَلُوْنَ ، يَجْعَلُوْنَ ، يَجْعَلُوْنَ ، يَجْعَلُوْنَ -

اَصَابِعَهُمْ ، اَصَابِعَهُمْ ، أَصٰبِعَهُمْ ،

أَصٰبِعَهُمْ / فِيْ ، فِي ، فِي ، فِيْ -

اٰذَانِهِمْ ، اٰذَانِهِمْ ، ءَاذَانِهِمْ ، اٰذَانِهِمْ

اٰذَانِهِمْ / مِّنَ ، مِّنَ -

الصَّوَاعِقِ ، الصَّوَاعِقِ ، الصَّوَاعِقِ ، الصَّوَاعِقِ -

حَذَرَ ، حَذَرَ / الْمَوْتِ ، الْمَوْتِ ، الْمَوْتِ -

وَاللّٰهُ ، وَاللّٰهُ ، وَاللّٰهُ ، وَاللّٰهُ ، وَاللّٰهُ -

مُحِيْطٌ ، مُحِيْطٌ ، مُحِيْطٌ مُحِيْطٌ / بِالْكٰفِرِيْنَ ،

بِالْكٰفِرِيْنَ ، بِالْكٰفِرِيْنَ ، بِالْكٰفِرِيْنَ ، بِالْكٰفِرِيْنَ -

الرّحیق المختوم

تالیف : مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

ناشر: مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور۔

آج اگر آپ یہ سوال کریں کہ وہ کونسی شخصیت ہے جس کی ذات، شخصیت، سیرت، کردار اور تعلیمات کے حوالے سے سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں، شائع ہوئیں۔ تو بغیر کسی جذبۂ عقیدت، محض حقائق کی بنیاد پر جواب ہوگا کہ :

محمّد —— خاتم النبیّین والمعصومین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ وسلّم!

دنیا کا ہر شخص، کسی بھی مذہب، زبان اور خطہ سے تعلّق رکھنے والا —— بشرطیکہ کسی تعصّب کا شکار نہیں، اس جواب کو تسلیم کرے گا اور مانے گا کہ بات ایسے ہی ہے —— پھر لکھنے والوں میں صرف وہ ہی نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کا رسول، نبی —— اور آخری پیغمبر مانتے ہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ایسا نہیں مانتے، اسی طرح ایک زبان کا سوال نہیں، ہر زبان میں ضخیم اور مختصر کتابیں آپ کو ملیں گی —— ہر لکھنے والا لکھ کر اور پوری ہمّت صرف کرکے یہ کہنے پر مجبور ہو گا۔

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر — ماہم چناں در وصف اوّل تو ماندہ ایم

آج کی بزم میں —— انسانیت کے اُس دولہا پر تالیف شدہ ایک ایسی کتاب کا تعارف مقصود ہے جو عربی میں لکھی گئی اور جناب مؤلف نے خود ہی پھر اس کو اُردو کا جامہ پہنایا —— جناب مؤلف —— ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز ضلع میں پیدا ہوئے "مبارک پور" بجائے خود ایسا قصبہ ہے جو سراپا برکت ہے کہ بہت سے اہلِ علم و دانش نے اسے رونق بخشی اور ان کے علم کی خوشبو چاروں طرف پھیلی —— جناب مؤلف چونکہ سلفی برادری سے تعلّق رکھتے ہیں اس لیے سلفیہ کے معیاری مدارس کے علاوہ الہ آباد بورڈ کے امتحانات بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اس کے بعد کسی دوسرے مشغلہ میں لمحہ بھر ضائع کیے بغیر تدریس، تالیف اور تصنیف میں لگ گئے —— اُن کے قلم سے ۱۲ کتابیں زیرِ تبصرہ کتاب کے علاوہ

نکل چکی ہیں — عربی اور اردو زبانوں میں — جبکہ ایک وقیع رسالہ "محدث" بنارس کی ۱/۲ ۴ سالہ ادارت بھی ان کے سپرد رہی — مارچ ۱۹۷۶ء میں کراچی کی سیرت کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی نے دنیا بھر کے اہلِ علم کو سیرت کے موضوع پر لکھنے کی دعوت دی، پانچ انعامات کا اعلان ہوا — صفی صاحب کو ان کے ایک محترم استاذ نے بار بار ترغیب دی کہ اس پر قلم اٹھاؤ — یہ گھبرائے کہ موضوع نازک ہے اور ذمہ داری بہت زیادہ — محترم استاذ کے ساتھ کہنے سننے والے اور بھی بہت تھے۔ آخر توفیقِ الٰہی سے قلم اٹھایا اور عربی میں وقیع مقالہ تیار ہو گیا۔

رابطہ کو ابتدا میں ۱۱۸۲ مقالات موصول ہوئے جو بجائے خود پیغمبر اسلام کا زندہ معجزہ تھے۔ ان میں سے ۱۸۲ مقالات چھانٹے گئے اور پہلے انعام کا "الرحیق المختوم" کو مستحق قرار دیا گیا — جبکہ دوسرا انعام جامعہ ملیہ دہلی کے استاذ ڈاکٹر ماجد کی انگریزی کتاب اور تیسرا انعام بہاولپور یونیورسٹی کے ڈاکٹر نصیر کی اردو کتاب کو ملا۔ چوتھا اور پانچواں انعام مصر و سعودیہ کے اسکالروں کو نصیب ہوا۔ یہ بات جہاں برِعظیم پاک و ہند کے لیے بہ حیثیت مجموعی باعثِ سعادت تھی کہ ابتدائی ۳ انعام یہاں کے سکالروں کو ملے وہاں مولانا صفی الرحمٰن سب سے زیادہ مستحقِ تبریک تھے کہ پہلا انعام انہیں ملا — عربی تصنیف پر مولانا موصوف نے ایک تو اِس بات کا اہتمام کیا کہ ٹھوس اور بنیادی منابع و مصادر سے باہر قدم نہیں رکھا اور جو بات لکھی ٹھوک بجا کر پوری صحت و ذمہ داری کے ساتھ لکھی — چونکہ موصوف علمی خانوادہ سے متعلق ہیں اور علم و تعلیم کے بغیر ان کا کوئی شغل نہیں اس لیے کتاب کی سطر سطر ان کی علمی بصیرت کا پتہ دیتی ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ کوئی محدث، اور صاحبِ نظر عالم ہے جس کا قلم رواں دواں ہے — اردو ترجمہ موصوف نے خود ہی کیا ہے اور یہ اپنی جگہ بڑی خوبی کی بات ہے۔

ہمارے دوست الحافظ احمد شاکر فرزندِ عزیز مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالےٰ نے اردو ترجمہ اپنے یہاں سے چھاپا — ۴ ایڈیشن نکل گئے پانچواں جا رہا ہے، کتابت، طباعت، کاغذ اور تجلید میں موصوف کا جو ذوق ہے اس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے ان کے ادارہ کی کوئی بھی کتاب دیکھی ہے — بہر حال اس خوب صورت اور پاکیزہ کتاب نے خود ہم پر سیرت کے بہت سے نئے گوشے بے نقاب کیے۔

(محمد سعید الرحمٰن علوی)